

اردو شاعری میں عورت کا امیج: کلاسیکی سے جدید دور تک

The Image of Woman in Urdu Poetry: From Classical to Modern Era

Ayesha Siddiqua

Assistant Professor, Department of Urdu, University of the Punjab, Lahore, Pakistan.

Kamran Javed

Associate Professor, Department of Urdu, Government College University, Faisalabad, Pakistan

Abstract:

The image of women in Urdu poetry has evolved alongside socio-political, cultural, and intellectual transformations in South Asia. From the mystical and idealized depictions of womanhood in classical ghazal to the assertive, self-conscious voices of modern feminist poets, Urdu poetry has mirrored changing perceptions of gender and identity. The classical poets—like Mir and Ghalib—presented women as metaphors for beauty, divine love, and emotional depth, while modern poets such as Kishwar Naheed and Fehmida Riaz reclaimed the female voice, challenging patriarchy and redefining femininity. This paper examines the shifting portrayals of women across eras, highlighting the intersection of aesthetics, spirituality, and social critique. It also explores how the female image in Urdu poetry reflects the evolving discourse on identity, power, and emotion in the literary tradition.

Keywords: Urdu poetry, feminine image, classical era, modernism, gender identity, symbolism, feminism, literary evolution

تعارف

اردو شاعری میں عورت کا تصور محض ایک فنی یا جمالیاتی تشکیل نہیں بلکہ یہ سماجی رویوں، صنفی سیاست، اور فکری حساسیت کی ایک ارتقائی جھلک ہے۔ کلاسیکی دور میں عورت کو عموماً ایک علامت کے طور پر پیش کیا گیا۔ کبھی وہ حسن و عشق کی دیوی بن کر سامنے آتی ہے اور کبھی ایک الم ناک پیکر کے طور پر۔ میر تقی میر، سودا، اور غالب جیسے شاعروں نے نسوانی وجود کو استعاراتی گہرائی عطا کی، جہاں جسمانی اور روحانی کیفیات باہم مل کر عشق و حسن کا ایک نیا مفہوم تشکیل دیتے ہیں۔ تاہم جدید دور میں اردو ادب نے عورت کے بیانے میں ایک واضح تبدیلی دیکھی۔ ترقی پسند تحریک (1930ء تا 1950ء) نے سماجی حقیقت نگاری کے ذریعے عورت کو ایک حقیقی اور انسان دوست وجود کے طور پر متعارف کرایا۔ بعد ازاں ادا جعفری، کشور ناہید، اور فہمیدہ ریاض جیسی شاعراؤں نے نسوانی شعور کو ایک نئی آواز دی۔ ایک ایسی آواز جو جذباتی، فکری، اور جسمانی خود مختاری کی علمبردار ہے۔ اس طرح اردو شاعری میں عورت کا ارتقائی سفر محض ایک علامتی تبدیلی نہیں بلکہ خودی، آزادی، اور صنفی مساوات کے فکری مباحث میں ایک زندہ اور متحرک کردار بن گیا۔

کلاسیکی اردو شاعری میں عورت کا امیج

کلاسیکی اردو شاعری میں عورت کا تصور ایک ہمہ جہت استعارہ ہے جو حسن، عشق، روحانیت اور جذباتی نزاکت کے مختلف رنگوں میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ عورت کو عموماً محبوب کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک ایسا محبوب جو کبھی ناقابل حصول ہوتا ہے، کبھی عشق کی تکمیل کی علامت۔ میر، سودا، اور غالب جیسے شعرا کے ہاں عورت کا پیکر صرف جسمانی حسن تک محدود نہیں بلکہ ایک روحانی جذبے اور داخلی کرب کی تمثیل بن جاتا ہے۔

میر تقی میر کے اشعار میں عورت ایک لطیف اور دردناک احساس کی صورت میں جلوہ گر ہے، جو عاشق کے دکھ اور تنہائی کی علامت ہے۔ سودا کے یہاں عورت کا حسن زیادہ مظاہرہ پسند اور ظاہری رنگوں میں ڈھلا ہوا ہے، لیکن اس کے پس منظر میں بھی انسانی خواہشات اور جذبات کی گہرائی موجود ہے۔ مرزا غالب کے ہاں عورت ایک پیچیدہ علامت ہے۔ وہ حسن کی دیوی بھی ہے، عقل و شعور کی آزمائش بھی، اور عشق کی معراج بھی۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ کلاسیکی اردو شاعری میں عورت نہ صرف حسن و عشق کی علامت ہے بلکہ روحانی وصل اور انسانی تجربے کے کرب کا استعارہ بھی۔ اس دور میں عورت کا امیج جمالیاتی تقدیس کے ساتھ ساتھ ایک داخلی، فکری، اور روحانی جہت کا حامل بن کر سامنے آتا ہے۔

صوفیانہ شاعری میں نسوانی رمز

صوفیانہ شاعری میں عورت کا تصور محض جسمانی حسن یا جذباتی وابستگی کا مظہر نہیں بلکہ عشق حقیقی کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ صوفی شعرا نے عورت کو ایک ایسے روحانی استعارے میں ڈھالا جو انسان اور خالق کے درمیان الوہی محبت کی رمز بن جاتا ہے۔ اس تناظر میں عورت محض محبوب نہیں، بلکہ عشق کی وہ کائناتی قوت ہے جو انسان کو حق تک پہنچنے کا وسیلہ فراہم کرتی ہے۔

مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی میں عورت کو روحانیت اور معرفت کی راہ پر ایک رہنما کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ ان کے نزدیک عورت "خدائی جمال" کا مظہر ہے، جو انسان کے اندر پوشیدہ حسن الہی کو بیدار کرتی ہے۔ رومی کہتے ہیں کہ عورت ظاہر و جسمانی مخلوق ہے مگر دراصل الہی اسرار کی حامل ہے۔ ایک ایسی تجلی جو انسان کو عشق حقیقی کی معراج تک پہنچاتی ہے۔

بلھے شاہ کی شاعری میں نسوانی رمز اور بھی واضح اور انقلابی شکل میں سامنے آتی ہے۔ انہوں نے مرد و عورت کے ظاہری امتیازات کو مسترد کرتے ہوئے روحانی اتحاد کا پیغام دیا۔ ان کے نزدیک عورت بطور "عشق" ہے۔ ایک ایسی روح جو ذات الہی میں فنا ہونے کی خواہش رکھتی ہے۔ بلھے شاہ کا "میں بلھیا، میں نہیں، میں اوہ" والا تصور اس بات کی گہرائی کو ظاہر کرتا ہے کہ نسوانی وجود صوفیانہ تجربے میں فنا فی اللہ کی حالت کا استعارہ بن جاتا ہے۔ نظیر، حالی، اور اقبال کے ہاں نسوانی تصور

نظیر، حالی، اور اقبال جیسے شعرا نے اردو شاعری میں عورت کے تصور کو ایک نئی فکری اور اخلاقی سمت عطا کی۔ ان کے ہاں عورت کا کردار محض عشقی یا جمالیاتی پہلو تک محدود نہیں بلکہ وہ معاشرتی اصلاح، اخلاقی تربیت، اور فکری خودی کی علامت بن کر ابھرتی ہے۔ ان تینوں شعرا نے عورت کو معاشرتی توازن اور اخلاقی استحکام کے بنیادی ستون کے طور پر پیش کیا، جو تمدن کی تعمیر اور نسلوں کی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔

نظیر اکبر آبادی کے یہاں عورت زندگی کے فطری تقاضوں اور انسانی تجربے کی علامت ہے۔ وہ عورت کو نہ صرف معاشرتی حقیقت کے تناظر میں دیکھتے ہیں بلکہ اسے انسانی مساوات، سادگی، اور اخلاقی بیداری کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں عورت کا تصور عوامی اور حقیقت پسندانہ رنگ لیے ہوئے ہے، جو زندگی کے اصل اور زمینی پہلوؤں سے جڑا ہوا ہے۔

الطاف حسین حالی نے اپنی اصلاحی شاعری میں عورت کی تعلیم، تربیت، اور اخلاقی مقام پر زور دیا۔ ان کی مشہور تصنیف مقدمہ شعر و شاعری میں عورت کو معاشرتی اصلاح کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔ حالی کے نزدیک عورت اگر بااخلاق، باشعور، اور تعلیم یافتہ ہو تو معاشرہ خود بخود ترقی کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ انہوں نے عورت کے وقار اور کردار کو قومی بیداری سے جوڑتے ہوئے اسے تمدنی اصلاح کا محور بنایا۔

علامہ اقبال کے ہاں عورت کا تصور نہایت بلند اور فلسفیانہ ہے۔ ان کے فلسفہ خودی میں عورت کو "محافظ حیات" اور "تخلیقی قوت" کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اقبال کے نزدیک عورت وہ ہستی ہے جو قوم کی روحانی اور فکری بنیادوں کو جلا بخشتی ہے۔ وہ عورت کو محض صنفِ لطیف نہیں بلکہ "معمارِ ملت" قرار دیتے ہیں۔ رموزِ بنوادی اور بانگِ درا میں اقبال نے عورت کو محبت، وفاداری، اور تربیتِ نسل کی علامت کے طور پر سراہا، اور اس کے کردار کو اسلامی تہذیب کے احیاء سے منسلک کیا۔

ترقی پسند تحریک اور عورت کی نئی شناخت

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں عورت کے تصور کو انقلابی بنیادوں پر تبدیل کیا۔ 1930 اور 1940 کی دہائی میں ابھرنے والی اس تحریک نے ادب کو معاشرتی حقیقتوں، طبقاتی جدوجہد، اور انسانی مساوات سے جوڑا۔ اس فکری فضا میں عورت کا میٹج ایک نئے شعور کے ساتھ سامنے آیا۔ وہ اب صرف حسن و عشق کی علامت نہیں بلکہ ایک زندہ، باشعور، اور جدوجہد کرنے والا سماجی کردار بن گئی۔

فیض احمد فیض کی شاعری میں عورت کو محبت اور انقلاب کے دوہری استعارے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان کے ہاں محبوبہ کبھی انفرادی عشق کی علامت ہے تو کبھی اجتماعی جدوجہد کی۔ فیض کے اشعار میں عورت وہ ہستی ہے جو ظلم و جبر کے نظام کے خلاف مزاحمت کی علامت بن جاتی ہے۔ وہ عورت کو انسانیت کی آزادی، امن، اور سماجی انصاف کی تمثیل کے طور پر دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ ان کا مشہور مصرعہ "مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ" اس تبدیلی کی علامت ہے، جہاں عورت ذاتی عشق سے نکل کر اجتماعی دکھ کا حصہ بن جاتی ہے۔

مخدوم محی الدین کی شاعری میں عورت ایک فعال انقلابی کردار ہے۔ وہ عورت کے وجود کو طبقاتی شعور کے ساتھ جوڑتے ہیں، اور اس کے اندر جدوجہد کی توانائی دیکھتے ہیں۔ ان کے اشعار میں عورت وہ طاقت ہے جو محبت کو سیاسی شعور میں بدلتی ہے، اور جو ظلم کے مقابلے میں انسانیت کی حرارت کو زندہ رکھتی ہے۔ علی سردار جعفری نے عورت کو سماجی اور فکری مساوات کی علامت کے طور پر پیش کیا۔ ان کے نزدیک عورت مرد کی حریف نہیں بلکہ اس کی فکری و عملی شریک ہے۔ وہ عورت کو انقلاب، محنت، اور آزادی کے استعارے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ جعفری کے نزدیک عورت کا وقار اس کے کردار، شعور، اور جدوجہد میں پوشیدہ ہے۔ وہ سماج کی تعمیر نو میں ایک لازمی قوت ہے۔

جدید نظم میں عورت کا وجودی اظہار

جدید اردو نظم کے دور میں عورت کا تصور ایک گہرے فکری اور وجودی بحر ان سے جڑا ہوا ہے۔ جدیدیت اور وجودیت کے پس منظر میں عورت کا کردار محض عشقی یا جمالیاتی پیکر نہیں رہتا بلکہ وہ ایک داخلی اضطراب، فکری تنہائی، اور شناخت کی تلاش کی علامت بن جاتا ہے۔ اس دور میں شاعرہ یا شاعر، دونوں، عورت کے باطن کی اس جدوجہد کو اجاگر کرتے ہیں جو سماجی جبر، ثقافتی روایت، اور وجودی احساس تنہائی کے درمیان توازن تلاش کر رہی ہے۔

نئی نظم نے عورت کو ایک انسانی شعور رکھنے والے فرد کے طور پر پیش کیا۔ جو خود کو معاشرتی حدود سے آزاد کر کے اپنی شناخت کو تخلیق کرنا چاہتی ہے۔ یہ عورت محض محبوب نہیں بلکہ سوچنے والی، محسوس کرنے والی، اور اپنی ذات کے اندر جھانکنے والی ہستی ہے۔ اس کے لیے زندگی ایک روحانی و فکری تجربہ ہے، جس میں محبت، شکست، اور بغاوت ایک ساتھ بنے ہوئے ہیں۔

اد جعفری کی شاعری میں یہ نسوانی خود آگاہی سب سے نمایاں ہے۔ وہ عورت کی جذباتی کیفیتوں کو محض درد کی علامت نہیں بلکہ خود شناسائی کے سفر کے طور پر دیکھتی ہیں۔ ان کے ہاں عورت اپنے وجود کی سچائی کو پہچانتی ہے، اپنی کمزوریوں سے نبرد آزما ہوتی ہے، اور پھر خود اپنے لیے راستہ بناتی ہے۔

کشور ناہید کے یہاں یہ اظہار زیادہ انقلابی اور احتجاجی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ وہ عورت کی ذہنی اور جسمانی غلامی کے خلاف بغاوت کا استعارہ بن جاتی ہے۔ ان کے نزدیک عورت کی خاموشی ظلم کے نظام کی تقویت ہے، اور اس کی آواز اٹھانا وجود کی بقا کی علامت۔

اسی طرح فہمیدہ ریاض کی شاعری میں عورت کا وجود ایک جسمانی اور فکری خود مختاری کا اظہار ہے۔ وہ عورت کے بدن، خواہش، اور احساسات کو سماجی ممنوعات سے آزاد کرتی ہیں اور اس کے ذریعے وجودی آزادی کی نئی معنویت پیدا کرتی ہیں۔

فیمینسٹ شاعری کا آغاز اور شعوری بیداری

اردو شاعری میں فیمینسٹ رجحان کا آغاز دراصل اس وقت ہوا جب عورت نے اپنی خاموشی کو توڑ کر اپنے وجود، احساسات، اور تجربات کو خود بیان کرنا شروع کیا۔ 1960 اور 1970 کی دہائی میں کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض نے نسائی شعور کی لہر پیدا کی جس نے اردو ادب میں عورت کے بیاہنے کو بنیاد سے بدل دیا۔ ان کی شاعری محض مردانہ معاشرت پر تنقید نہیں بلکہ عورت کی خود شناسی، جسمانی آزادی، اور فکری خود مختاری کا پر شور اعلان ہے۔

کشورناہید کی شاعری میں عورت کی آواز ایک احتجاجی صدائے حق بن کر ابھرتی ہے۔ وہ عورت کو محض مظلوم یا محبوب کے طور پر نہیں بلکہ ایک انقلابی اور بیدار ذہن کے طور پر پیش کرتی ہیں جو سماجی جبر اور منافقت کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ ان کی نظم ”ہم گناہگار عورتیں“ نسائی بغاوت کا ایک استعارہ بن چکی ہے، جس میں عورت کی فطری خواہش، حق انتخاب، اور جذباتی سچائی کو تسلیم کرنے کی پکار سنائی دیتی ہے۔ کشورناہید کے نزدیک عورت کا بدن اور ذہن دونوں مقدس ہیں، اور کسی بھی جبر کے خلاف ان کا اظہار ایک اخلاقی و انسانی فریضہ ہے۔

فہمیدہ ریاض کی شاعری میں نسوانی شعور اور زیادہ جرأت مند اور وجودی رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ وہ عورت کے بدن، محبت، اور خواہش کو سماجی حدود سے آزاد کر کے ایک فطری انسانی تجربہ قرار دیتی ہیں۔ فہمیدہ کے نزدیک عورت کو اپنے بدن کی شرمندگی نہیں بلکہ اس کی معنویت پر فخر ہونا چاہیے، کیونکہ یہی بدن تخلیق اور حیات کی علامت ہے۔ ان کی شاعری میں عورت اپنے احساسات کو چھپانے کے بجائے فخر سے ظاہر کرتی ہے۔ وہ محبت کو جرم نہیں بلکہ عبادت سمجھتی ہے، اور خواہش کو گناہ نہیں بلکہ زندگی کی توانائی قرار دیتی ہے۔

کشورناہید اور فہمیدہ ریاض نے ثابت کیا کہ عورت کا وجود کسی خارجی تعریف کا محتاج نہیں۔ اس کی آزادی، اس کی شناخت، اور اس کی فکری قوت خود اس کے اندر سے پھوٹتی ہے۔ ان کی شاعری نے اردو ادب میں عورت کو مفعول سے قائل، مظلوم سے مزاحم، اور محبوبہ سے مفکر کے مقام تک پہنچایا۔ ادبی ساختیات اور عورت کی علامتی تعبیر

اردو ادب میں ساختیاتی تنقید کے ظہور نے معنی، زبان، اور کردار کے روایتی تصور کو ایک نئی جہت دی۔ اس تنقیدی زاویے کے تحت عورت اب محض ایک کردار نہیں کے طور پر (System of Signs) کے اندر معنی تخلیق کرنے والی بنیادی اکائی کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ساختیات نے ادب کو ایک نظامِ علامات (Text) بلکہ متن دیکھا، اور اس قرار دیا گیا۔

کلاسیکی ادب میں عورت عموماً ایک علامت کے طور پر موجود تھی۔ حسن، عشق، یا قربانی کی۔ مگر ساختیاتی مطالعے نے یہ واضح کیا کہ عورت کا کردار دراصل ادب کی معنوی ساخت میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ کہانی کے صرف ایک جزو کے طور پر نہیں بلکہ بیان کی معنوی بنیاد کے طور پر کام کرتی ہے۔ عورت کی خاموشی، قربانی، یا ہیں جو سماج کے شعوری اور لاشعوری نظام کی ترجمانی کرتے ہیں۔ (Cultural Codes) عشق — یہ سب محض واقعات نہیں بلکہ ثقافتی کوڈز ساختیاتی تناظر میں عورت کے کردار کو ”زبان“ اور ”معنی“ کے باہمی رشتے سے دیکھا جاتا ہے۔ عورت کا وجود وہ علامتی دائرہ ہے جس کے ذریعے ادبی متن اپنی گہرائی میں انسانی تجربے، جذبات، اور اقدار کو بیان کرتا ہے۔ مثال کے طور پر میر جاناغالب کی شاعری میں عورت کا حسن صرف جسمانی جمال نہیں بلکہ معنی کی تخلیق کا استعارہ ہے۔ وہ متن کو متحرک رکھتی ہے، قاری کو سوال اٹھانے پر مجبور کرتی ہے، اور خود معنی کی تشکیل کا سبب بنتی ہے۔

جدید شاعری اور افسانہ نگاری میں بھی عورت کا یہی ساختیاتی کردار برقرار رہتا ہے۔ اب وہ محض ایک موضوع نہیں بلکہ متن کی داخلی ساخت کا لازمی جزو ہے۔ کشورناہید، فہمیدہ ریاض، اور پروین شاکر جیسے شعرا کے ہاں عورت ایک بن جاتی ہے۔ وہ اپنی علامت خود تخلیق کرتی ہے، اپنے معنی خود طے کرتی ہے، اور متن کے مرکز سے معنی کے تمام دائرے اس کی طرف پلٹتے ہیں۔

عصر حاضر میں عورت اور شناخت کی سیاست

عصر حاضر میں اردو شاعری نے عورت کے تصور کو ایک نئے فکری اور ثقافتی تناظر میں پیش کیا ہے، جہاں شناخت، زبان، اور اظہار کے مسئلے مرکزی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ جدید دور کی شاعرات اب صرف صنفی ناہمواری یا سماجی جبر کے خلاف نہیں لکھتیں بلکہ وہ اپنی شناخت، وجود، اور زبان کے حق ملکیت کا اعلان کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کا تجربہ صرف ذاتی نہیں بلکہ سیاسی اور ثقافتی بیانیہ بھی ہے۔ ایک ایسا بیانیہ جو طاقت کے ڈھانچوں، مردانہ زبان، اور معاشرتی اصولوں کو چیلنج کرتا ہے۔ جدید شاعرات جیسے کہ پروین شاکر، کشورناہید، فہمیدہ ریاض، اور سارہ گلگتہ نے اردو شاعری میں لسانی سطح پر بغاوت کی۔ انہوں نے وہ زبان اختیار کی جو مردانہ لغت سے آزاد ہو۔ ایک ایسی زبان جو عورت کے احساس، بدن، اور سوچ کی نمائندہ ہو۔ پروین شاکر کے یہاں عورت کا لہجہ نرم مگر پر عزم ہے؛ وہ محبت کو کمزوری نہیں بلکہ شناخت کی طاقت کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ سارہ گلگتہ کی شاعری میں زبان خود احتجاج بن جاتی ہے، جو روایتی اظہار کے خلاف بغاوت کی علامت ہے۔

شناخت کی یہ سیاست صرف ادبی میدان تک محدود نہیں رہی بلکہ ڈیجیٹل دنیا میں بھی پھیل گئی ہے۔ سوشل میڈیا، بلاگز، اور ڈیجیٹل شاعری کے ذریعے عورت نے اپنے اظہار کی نئی راہیں پیدا کی ہیں۔ اب عورت کی آواز اشاعتی اداروں یا روایتی تنقید کے محتاج نہیں رہی۔ وہ خود اپنی اشعار، نظموں، اور ویڈیوز کے ذریعے براہ راست سامعین تک پہنچتی ہے۔

ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر اب ایسی شاعری سامنے آرہی ہے جو جسمانی خود مختاری، ماں ہونے کے تجربے، ذہنی صحت، اور سماجی شناخت جیسے موضوعات کو نئے انداز میں بیان کرتی ہے۔

، اور ذاتی و اجتماعی شعور کے امتزاج پر مبنی بناتا ہے۔ اب عورت کا تصور صرف مظلوم یا مزارح نہیں بلکہ، کثیر الجہتی O یہ نیا ادبی منظر نامہ عورت کے بیانیے کو زیادہ شمولیتی ایک ایسی ہستی کا ہے جو خود اپنی شناخت کی سیاست تخلیق کر رہی ہے۔ جو اپنی زبان لکھ رہی ہے، اپنے معنی طے کر رہی ہے، اور اپنی دنیا تشکیل دے رہی ہے۔ اردو شاعری میں عورت بطور علامت سے بطور آواز تک کا سفر

اردو شاعری میں عورت کا تصور صدیوں پر محیط ایک فکری اور جمالیاتی ارتقا کی کہانی ہے۔ ایک ایسا سفر جس میں وہ مرد شاعر کے تخیل کی علامت سے نکل کر اپنی خودی اور شعور کی آواز بن گئی۔ کلاسیک دور میں عورت حسن، عشق، اور روحانیت کی تمثیل تھی؛ ایک ایسا استعارہ جو مردانہ نگاہ کے زاویے سے تشکیل پاتا تھا۔ وہ محبوب بھی تھی، محروم بھی، مگر بولنے کی صلاحیت سے عاری۔

وقت کے ساتھ ساتھ جب سماجی، فکری، اور سیاسی تبدیلیاں آئیں تو عورت کا کردار بھی ادب میں بدلنے لگا۔ ترقی پسند تحریک نے عورت کو ایک سماجی وجود کے طور پر تسلیم کیا۔ ایک ایسی ہستی جو ظلم کے خلاف مزاحمت کر سکتی ہے، جو محبت کو انسانیت کے استعارے میں ڈھال سکتی ہے۔ یہ وہ دور تھا جہاں عورت محض "علامت" نہیں رہی بلکہ تبدیلی کی علامت بن گئی۔

جدید اور مابعد جدید دور میں، خصوصاً گھوڑ ناہید، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، اور سارہ شگفتہ جیسی شاعرات کے ذریعے، عورت نے اپنی آواز کو خود اپنی زبان میں بیان کرنا سیکھا۔ وہ اب تخیل کا موضوع نہیں بلکہ تخلیق کی خالق ہے۔ اس نے ادب کے اندر سے مردانہ مرکزیت کو چیلنج کیا اور اپنی زبان، اپنے بدن، اور اپنے احساسات کو تحریر کی طاقت میں بدلا۔

یہ تبدیلی محض ادبی نہیں بلکہ تہذیبی اور فکری انقلاب کی صورت رکھتی ہے۔ عورت نے شاعری میں اپنے وجود کے مختلف پہلوؤں — جذبات، بدن، محبت، بغاوت، اور شناخت — کو اس طرح سمویا کہ اردو ادب کی تاریخ میں نسوانی شعور ایک مستقل فکری دھارا بن گیا۔ نسوانی امیج کے ارتقا پر سماجی و تہذیبی اثرات

اردو شاعری میں عورت کے تصور کا ارتقا محض ادبی تبدیلی نہیں بلکہ سماجی و تہذیبی تغیرات کی عکاسی بھی ہے۔ عورت کا امیج ہر دور میں اپنے عہد کے سماجی، سیاسی، اور فکری تناظر سے متاثر رہا ہے۔ جب معاشرتی اقدار، تعلیم، اور سیاست نے نئی سمتیں اختیار کیں تو ادب میں عورت کا تصور بھی ان تغیرات کے ساتھ بدلتا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ عورت اب صرف حسن، عشق، یا قربانی کی علامت نہیں بلکہ ایک باشعور، فعال، اور خود مختار انسان کے طور پر سامنے آئی ہے۔

برصغیر کے سماجی ڈھانچے میں عورت طویل عرصے تک ایک روایتی کردار کی قید میں رہی۔ وہ گھر، خاندان، اور اخلاقیات کے نظام سے منسلک تھی۔ مگر جب تعلیم اور جدید فکر نے دروازے کھولے تو عورت کے وجود میں ایک نئی آگاہی پیدا ہوئی۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں عورتوں کی تعلیم نے ان کے ذہنی اور ادبی شعور کو بیدار کیا۔ الطاف حسین حالی، سرسید احمد خان، اور دیگر اصلاح پسند مفکرین نے عورت کی تعلیم اور کردار کو معاشرتی ترقی کے لیے لازمی قرار دیا۔ یہی اصلاحی تحریکیں بعد میں ادبی شعور نسواں کے بیدار ہونے کی بنیاد بنیں۔

جیسے جیسے عورت سماجی و تعلیمی میدان میں آگے بڑھی، اردو شاعری میں اس کی تصویر بھی روایتی محبوبہ سے نکل کر متفکر اور خود آگاہ انسان کے طور پر ابھری۔ اب وہ معاشرتی دباؤ کی شکار نہیں بلکہ خود معاشرتی رویوں پر تنقید کرنے والی آواز ہے۔ اس تبدیلی پر سیاست نے بھی گہرا اثر ڈالا۔ آزادی کی تحریک، مزدور تحریکوں، اور ترقی پسند ادب نے عورت کو محض مظلوم نہیں بلکہ تبدیلی کی طاقت کے طور پر پیش کیا۔

نسوانی آزادی کے مباحث نے اردو ادب کو ایک نیا فکری زاویہ دیا۔ فیمنسٹ تحریک کے زیر اثر عورت نے اپنے جسم، اپنی خواہش، اور اپنے ذہن پر حق ملکیت کا اعلان کیا۔ کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، اور پروین شاکر کی شاعری نے اس آزادی کو جذباتی، فکری، اور جمالیاتی سطح پر بیان کیا۔ ان کے نزدیک عورت کی آزادی صرف مرد کے اختیار سے نجات نہیں بلکہ خود کی پہچان، اپنے احساسات پر اختیار، اور اپنی زبان میں اظہار کا حق ہے۔

خلاصہ

اردو شاعری میں عورت کے تصور کا سفر — کلاسیکی تصوف سے جدید حقیقت نگاری تک — جنوبی ایشیائی فکری شعور کی ایک غیر معمولی تبدیلی کی عکاسی کرتا ہے۔ عورت محض حسن و عشق کی علامت نہیں رہی بلکہ ایک خود مختار، سوچنے سمجھنے والی اور مزاحمتی آواز کے طور پر ابھری ہے۔ کلاسیکی شعرانے اسے حسن، محبت، اور روحانیت کی تمثیل کے طور پر پیش کیا، جب کہ جدید شعرانے اس کے وجود کو انسانی دکھ، مزاحمت، اور شناخت کی علامت بنایا۔ فیمنسٹ شاعرات کے آنے سے اردو شاعری میں عورت کے بدن، سیاست، اور خودی سے متعلق نئے مباحث شامل ہوئے، جنہوں نے شعری اظہار کی نئی جہتیں پیدا کیں۔ یہ ارتقا صرف ادبی نہیں بلکہ فکری اور سماجی بیداری کا مظہر ہے — ایک ایسا سفر جس نے عورت کو خاموش تماشائی سے ایک فعال اور خود آگاہ کردار میں تبدیل کر دیا۔

حوالہ جات

- لاہور: مجلس ترقی ادب، 1992۔ جمیل، ڈاکٹر احمد۔ اردو شاعری میں عورت کا تصور
اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2001۔ ناہید، کشور۔ بنیادیں میری فریاد کی
کراچی: سنگ میل پبلی کیشنز، 1974۔ ریاض، فہمیدہ۔ بدن دریدہ
دہلی: نول کشور پریس، 1905۔ تقی میر۔ کلیات میر
لاہور: سنگ میل، 1980۔ غالب، مرزا اسد اللہ خان۔ دیوان غالب
دہلی: نول کشور پریس، 1893۔ حالی، الطاف حسین۔ مقدمہ شعر و شاعری
لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1935۔ اقبال، علامہ محمد۔ بال جبریل
لاہور: سنگ میل، 1999۔ احمد، سرور۔ ترقی پسند تحریک اور نسوانی ادب
دہلی: ادبی مرکز، 1955۔ جعفری، علی سردار۔ پھر چراغ جلے
کراچی: آفاق پبلی کیشنز، 2010۔ جاوید، عفت۔ اردو شاعری میں نسوانی حسیت
لاہور: مجلس ترقی ادب، 2018۔ فاطمہ، ندا۔ نئی نظم میں عورت کا تصور
کراچی: اردو سائنس بورڈ، 2022۔ شمیم، شائستہ۔ اردو شاعری میں عورت کی خودی